مولانا مفتی امجد العلی صاحب ۔ کراچی
سابق مہتمم مطلع العلوم رامپور

اعضاء انسانی سے پیوند کاری

قسط ــــــ ۲

۳۔ یہ کہ کیا انسان جسطرح کائنات کی تمام اشیاء و اجزا میں مالکانہ تصرف کا حق رکھتا ہے اسی طرح وہ اپنی جان و جسم میں بھی تصرف کرنیکا حق رکھتا ہے۔؟ اگرچہ ہمارے سابق بیان سے اس سلسلہ میں بھی واضح طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ تفصیلی طور پر مستقلاً اسکو بیان کر دیا جائے۔ قرآن کریم میں اگرچہ اس مسئلہ میں کوئی ظاہر نص موجود نہیں۔ لیکن ایسی آیات جن سے دلالۃً و اقتضاءً ہمارا مقصد ثابت ہوتا ہے۔ موجود ہیں۔ سورۃ نساء آیت ۲۹ میں فرمایا گیا ہے۔:

یاایھاالذین آمنوا لاتأکلوا اموالکم بینکم بالباطل الاان تکون تجارۃ عن تراض منکم، ولا تقتلوا انفسکم ان اللّٰہ کان بکم رحیما، ومن یفعل ذلک عدواناً وظلماً فسوف نصلیہ ناراً وکان ذلک علی اللہ یسیراً۔ یعنی اے ایمان والو! اپنے مالوں کو اپنے درمیان باطل طریقوں سے نہ کھاؤ الایہ کہ بطریقہ تجارت ہو جس میں تمہاری رضامندی موجود ہو، اور اپنی جانوں کو قتل نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحیم ہے، اور جس نے بھی اس امر ممنوع کا ارتکاب کیا حد سے تجاوز کر کے اور ظلم کر کے تو ہم اسکو عنقریب آگ میں داخل کریں گے۔ اور یہ سزا اللہ تعالیٰ کے لئے آسان ہے "

آیت مذکورہ کو ہم نے اس کے ابتدائی حصہ کے ساتھ نقل کر دیا ہے کیونکہ اگر ہم محض اس جملے کو نقل کر دیتے کہ : لاتقتلوا انفسکم ۔ تو ممکن تھا کہ ناظرین مضمون ہذا قرآن کریم سے تصدیق کے موقعہ پر اس جملہ سے قبل تجارت کا ذکر مطالعہ کر کے یہ سوال اٹھاتے کہ یہ جملہ صرف مالوں کو باطل طریقہ سے کھا جانے کی حرمت کے متعلق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ بتایا ہے کہ مسلمان کا مال دوسرے مسلمان کیلئے باطل طریقہ سے کھا جانا قتل نفس کے مترادف ہے۔ اس سے خود اپنی ذات

میں انسان کے تصرّف کا حرام و ممنوع ہونا کہاں ثابت ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ جب اس آیت سے یہ ظاہر ہے کہ انسانوں کیلئے ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ پر کھا لینا ایسا ہی ہے جیساکہ نفس کو قتل کر دینا۔ تو اس سے دلالۃً یہ بھی ثابت ہوا کہ جان کا ہلاک کرنا حرام ہے۔ پھر آیت کا سیاق کلام اس انداز پر ہے کہ جس کے معنی واضح یہ ہوتے ہیں کہ تم اپنے نفس کو خود ہلاکت میں نہ ڈالو، جس کا اقتضاء یہ ہے کہ دوسرے نفس کو قتل کرنا ایسا ہے جیسے اپنا نفس قتل کرنا۔ اور اپنے نفس کو قتل کرنا ضائع کرنا حرام ہے۔ لہذا دوسرے پر قتل کی دست اندازی اسی طرح حرام ہے۔

دوم یہ کہ آئمہ مفسرین نے لاتقتلوا انفسکم۔ کے عام معنی بھی مراد لئے ہیں۔ باطل طریقے پر ایک دوسرے کے مالوں کو کھا جانے کے ساتھ مخصوص نہیں کیا ہے۔ تفسیر بیضاوی میں علامہ بیضاوی نے فرمایا ہے: ولاتقتلوا انفسکم۔ بالبخع کما تفعله جملة الهند او بالقاء النفس الى التهلكة ------ او بارتکاب مایؤدی الی قتلها، او باقتراف ما یذل للّا ویردیها فانه قتل حقیقی للنفس[۲]۔ یعنی اپنی جانوں کو (ستی) کے طریقہ سے ہلاک نہ کرو جیساکہ بعض ہندو جاہل کرتے ہیں۔ یا یہ کہ اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو، یا ایسے امور کا ارتکاب نہ کرو جو جان کو ہلاکت کے قریب کر دینے والے ہوں یا ایسے امور کا ارتکاب نہ کرو جو تمہاری ذلّت نفس و ضرر کا سبب ہوتے ہوں، کیونکہ ایسے امور کا ارتکاب بھی اپنے نفس کو حقیقی معنی میں قتل کر دینے کے مترادف ہے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خودکشی کے حرام ہونے اور اس کے ارتکاب پر جو احادیث مروی ہیں وہ حقیقت میں ایسی آیات ہی کی تفسیر ہیں۔ علامہ علاؤ الدین بن علی المشہور بالخازن المتوفی ۷۲۵ھ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اس کے تحت خودکشی کی احادیث بھی روایت کی ہیں۔ فرمایا ہے: وقیل معناہ ولا تهلکوا انفسکم بان تعملوا عملاً ربما ادی الی قتلها۔ یعنی ایسا عمل اختیار کر کے جو نفس کی ہلاکت کا سبب ہو اپنے نفسوں کو ہلاک نہ کرو۔

اس عبارت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند احادیث نقل کی ہیں جن کے منجملہ یہ حدیث ہے۔ عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من تردی من جبل فقتل نفسه فهو فی نار جهنم یتردی فیها خالداً مخلداً فیها ابداً، ومن تحسی سماً فقتل نفسه فسمه فی یده یتحساه فی نار جهنم خالداً مخلداً فیها ابداً، ومن قتل نفسه بحدیدة فحدیدته فی یده یتوجأ بها فی بطنه فی نار جهنم خالداً مخلداً فیها ابداً۔ یعنی جس شخص نے پہاڑ کی بلندی سے اپنے آپ کو گرا کر ہلاک کیا وہ جہنم کی آگ میں

---

[۲] بیضاوی ج ۱ ص ۱۸۴

اپنے آپ کو ہمیشہ ہمیش پہاڑ کی بلندی سے گراتا رہے گا، اور جس شخص نے زہر کھاکر اپنے آپکو قتل کیا وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیش اپنے ہاتھ میں زہر لئے ابد تک پیتا رہے گا۔ اور جس شخص نے کسی لوہے کے ہتھیار سے ہلاک کیا ہمیشہ ہمیش جہنم کی آگ میں اُس ہتھیار کو اپنے پیٹ میں مار کر ابد تک (مرتا) رہے گا۔

ایک دوسری روایت میں ہے: عن جندب رضی اللّٰہ عنہ عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: کَانَ برجلٍ جراح فقتل نفسہ فقال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ بدرنی عبدی بنفسہٖ حرمت علیہ الجنۃ۔ یعنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص زخمی ہوگیا (زخم کی تاب نہ لاکر) اس نے اپنے آپ کو قتل کر دیا، اللّٰہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا میرے بندے میرے مقابلہ میں جان دینے کی جلدی کی لہذا میں نے اس پر جنّت کو حرام کر دیا۔[۳۳]

آیت مسطورہ بالا اور احادیث واقوال مفسّرین سے یہ واضح ہوگیا کہ جسطرح ایک انسان دوسرے انسان کے مال پر باطل طریقے سے دست اندازی کا حق نہیں رکھتا اسی طرح اسکو اپنے جسم وجان پر بھی دست اندازی اور ایسے تصرف کا حق حاصل نہیں ہے جو اس کی ذلت وتحقیر وعدم احترام کا سبب ہو۔

اس مقام پر یہ اعتراض واقع ہوتا ہے کہ مذکورہ بیان سے محض یہ امر ثابت ہوا کہ انسان اپنی ذات پر مجرمانہ شکل میں تصرف نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ سوال اپنی جگہ اب بھی قائم رہا کہ جب انسان قدرتی طور پر فوت ہوگیا ہو تو کیا ایسی صورت میں اس کے جسمانی اعضاء کو کسی دوسرے انسان کیلئے شرعاً استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں۔ یا یہ کہ جب کوئی انسان قریب المرگ ہو اور اپنے جسم سے بے نیاز ہوجانے کے بعد وہ کسی دوسرے شخص کے حق میں اپنے کسی عضو کے استعمال کی وصیّت کر دے یا اجازت دیدے تو اس کا یہ عمل جائز ہوگا یا نہیں۔؟ خصوصاً جبکہ وصیّت کی صورت میں اسکی نیّت دوسرے اپنے بنی نوع کیلئے احسان اور سلوک کی بھی ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس مخلوق کو اللّٰہ تعالیٰ نے وہ شرافت وعظمت عطا فرمائی ہو جسکو ہم نے سطور بالا میں بیان کیا، اور جسکو اپنی نیابت کا اعزاز عطا کیا ہو کائنات میں مالکانہ تصرفات کا حق دیا ہو وہ بذاتہ ہر وقت وہر حالت میں اس شرف واحترام کی مستحق رہے گی۔ کسی دوسرے شخص کو اس مخلوق کی بغیر اجازت یا با اجازت اس کے کسی حصّہ جسم کو استعمال کرنا جائز نہ ہوگا۔ اور اسکو محل صرف سمجھ لینا بھی اس کی تذلیل کا باعث ہوگا۔

---

۳۳ تفسیر خازن مطبوعہ مصر جلد ۱ ص ۵۱۳

باقی رہا یہ امر کہ وصیت کی حالت میں اس کا حسن نیت اس کے عمل وصیت کے جواز کا سبب قرار دیا جائے تو ظاہر ہے کہ جو عمل شرع نے حرام قرار دیا ہو کسی شخص کا حسن نیت اس کی حرمت کو حلت سے تبدیل نہیں کر سکتا۔ مثلاً ایک شخص کیلئے شرع نے شراب پینا اور اس کی خرید و فروخت کرنا حرام قرار دیا ہے۔ اگر کوئی مسلم اس نیت سے کہ شراب کی تجارت بڑے منافع کا باعث ہو رہی ہے اسکی تجارت سے میں جو نفع حاصل کروں گا اگرچہ وہ بذاتِ خود میرے لئے حرام ہوگا لیکن اس کو میں اپنی مسلم قوم کے غرباء و مساکین کی حاجت میں صرف کروں گا، یا ان کے درمیان تقسیم کر دیا کروں گا۔ شراب کی تجارت اس مسلم کیلئے حلال نہیں ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر اسی قسم کی نیت سے سود یا رشوت کا معاملہ شروع کردے تو یہ معاملہ حرام سے حلال کی طرف رجوع نہیں کریگا۔ چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو اس کی جسم و جان کا مالک نہیں بنایا ہے۔ اس لئے وہ اس میں کسی قسم کا مالکانہ تصرف نہیں کر سکتا۔ نیز یہ کہ عقد وصیت کیلئے یہ شرط ہے کہ جس شئے کی وصیت کی جا رہی ہے وہ وصیت کرنے والے کی مملوکہ ہو۔ لیکن انسان کے اپنے اعضاء اسکی ملکیت نہیں ہیں جنکی وصیت صحیح ہو سکے۔ بلکہ عاریت کا مال ہے جس کا اصل مالک خالقِ کائنات ہے۔ کائنات کی دیگر اشیاء کی مثل خالقِ کائنات نے انسان کو انسان کی اپنی ذات میں ملکیت مجازی کا حق بھی نہیں عطا فرمایا ہے۔

چنانچہ انسان جسطرح اشیاء کائنات کے مالک مجازی ہونے کی حیثیت سے اپنی حیات میں محترم و معزز ہے اسی طرح بعد موت بھی محترم ہے۔ اس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے، جس کو سلیمان بن بریدہ نے اپنے والد حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا امّر امیراً علی جیش او سریۃ اوصاہ فی خاصتہ، بتقوی اللہ ومن معہ من المسلمین خیراً، ثم قال اغزوا بسم اللہ فی سبیل اللہ قاتلوا من کفر باللہ، اغزوا فلا تغلّوا ولا تغدروا ولا تمثلوا۔ الخ یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کو کسی لشکر کا یا کسی فوجی دستہ کا امیر مقرّر فرما کر روانہ فرماتے اس کو اس شخص کی اپنی نفس کے حق میں خصوصی طور پر یہ وصیت فرماتے کہ وہ خدا سے ڈرتا رہے۔ اور اپنے مسلم ہمراہیوں سے بہتر طور پر پیش آتا رہے۔ پھر فرماتے اللہ تعالیٰ کا نام لیکر اللہ کے راستہ میں جہاد کرو جو لوگ اللہ کے ساتھ کفر اختیار کر رہے ہوں، ان سے جنگ کرو، جنگ کرو لیکن مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا، اور غداری نہ کرنا، مثلہ نہ بنانا۔ (مشکوٰۃ مطبوعہ اصح المطابع کراچی صد ۳۴۱ کتاب الجہاد۔ بحوالہ مسلم)

مذکورہ حدیث سے جسطرح اعضاء انسانی کو اس کے جسم سے علیحدہ کر کے اسکی شکل و صورت

کا بگاڑ ممنوع قرار پاتا ہے، اسی طرح یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خواہ یہ میّت کسی کافر ہی کی کیوں نہ ہو اس کے ساتھ بھی یہ فعل ممنوع ہے۔ کیونکہ یہ انسانیت کے احترام واکرام کے خلاف ہے، لہٰذا اس مقام پر یہ اعتراض بھی نہیں کیا جاسکتا کہ شرع میں مُثلہ کرنا اس لئے ممنوع قرار دیا گیا ہے کہ اس سے مقتول کی تحقیر مقصود ہوتی تھی اور کسی مسلمان کی تحقیر کسی طرح بھی جائز نہیں۔ اس بناء پر اگر اعضاء کی قطع وبرید اس نیت ومقصد سے ہو کہ ان سے کسی زندہ انسان کو فائدہ پہنچایا جائے تو مُثلہ کرنا ممنوع نہ ہوگا۔ کیونکہ اگر مُثلہ کرنے کی علت صرف تحقیر ہوتی تو پھر ایک مسلم کا غالب آکر کافر کو قتل کرکے مثلہ بنا دینا ممنوع نہ ہوتا بلکہ مقاتلین ومعاندین کی عبرت کا سبب ہوتا۔ اسی وجہ سے آئمہ احناف نے کافر کی میّت کے مُثلہ کرنے کو بھی حرام قرار دیا ہے۔

نیز ایک دوسری حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، اِنَّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال۔ کسر عظم المیت ککسرہ حیًا۔ یعنی میّت کی ہڈی کا توڑنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی زندہ انسان کی ہڈی کو توڑا جائے۔[۵] اسی حدیث کی شرح میں علی قاری نے مشکوٰۃ کی شرح مرقاۃ میں ابن ابی شیبہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بھی نقل کی ہے۔ اذی المؤمن فی موتہ کاذاہ فی حیاتہ۔ موت کے بعد کسی مومن کو اذیت پہنچانا ایسا ہی ہے جیسا کہ حیات میں اس کو اذیت پہنچائی جائے اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہے کہ مرنے کے بعد بھی میّت کو اس کے اعضاء کی قطع وبرید سے اسی طرح اذیت پہنچتی ہے جس طرح زندگی کی حالت میں اذیت پہنچتی ہے۔

چنانچہ امّت کے آئمہ وفقہاء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے ہی ارشادات کے پیش نظر فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات انسانیت کے احترام واکرام کی بنا پر ہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے سیر کبیر میں فرمایا ہے: احترام الانسانیۃ والفضیلۃ فی اثناء الحروب وعلی ذالک لا یصح لقائد ولا لمقاتل ان یمثل باحد من القتلیٰ اویشوہ عضوًا من اعضائہ بالمثلۃ فی حال حیاتہ اوبعد وفاتہ فقد قال علیہ السلام: ایاکم والمثلۃ۔ یعنی انسانیت کے احترام وفضیلت کے پیش نظر دوران جنگ امیر لشکر یا کسی مجاہد سپاہی کیلئے مقتول کافر کا مثلہ کرنا" اس کے اعضا کو جُدا جُدا کرنا جائز نہیں۔ نہ یہ اس کی زندگی میں کیا جاسکتا ہے۔ اور نہ مرنے کے بعد، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "مثلہ کرنے سے اپنے آپکو دور رکھو"

---

[۵] مشکوٰۃ مطبوعہ اصح المطابع کراچی ص ۱۴۹ ۔ بحوالہ مسلم۔

خصوصاً جبکہ کوئی شخص اسلام کی نعمت سے سرفراز ہو اس کے اعضاء جسم کی قطع و برید تو بڑی بات ہے اس کے ساتھ تو اس سے کم درجہ کا ایسا عمل جو کہ اسکی تحقیر و تذلیل یا اذیت کا باعث ہو اختیار کرنا بھی شرعاً حرام ہوگا۔ چنانچہ اگر کوئی مسلم کافروں کے ہاتھ مغلوب ہو کر قید ہو جائے تو یہ اس کافر کا غلام نہ متصور ہوگا۔ بلکہ مسلمانوں کے امیر یا عام مسلمانوں پہ فرض ہو گا کہ اس کو کافر کے ہاتھوں سے آزاد کرائیں۔ امام شمس الائمہ سرخسی نے شرح سیر کبیر میں کہا ہے: ثم المسلم مصون عن اذلال الکافر ایاہ شرعاً وفی تبدیل صفۃ المالکیۃ بالمملوکیۃ اذلال وفی استخدامہ قہراً واستدامۃ الملک فیہ اذلال ایضاً، فیصان المسلم عن ذلک بان یجبر الکافر علی بیعہ - الخ [۵]

فقہاء امت نے انسان کے اعزاز و احترام کے پیش نظر اس امر کی تصریح کی ہے کہ انسان بجمیع اجزاء اپنی حیات اور بعد وفات ہر دو حالتوں میں عزت و احترام کا مستحق ہے۔ مبتذل (قابل صرف) اشیاء میں اس کا شمار کر لینا جائز نہیں ہے۔ اس کے جسم کے کسی عضو یا حصہ کو اسطرح استعمال نہیں کیا جا سکتا جسطرح اُن اشیاء کو استعمال کیا جا سکتا ہے جو اس کے استعمال کیلئے پیدا کی گئی ہیں۔ در مختار میں کہا گیا ہے: وشعر الانسان لکرامۃ الآدمی ولو کافراً ذکرہ المصنف وغیرہ فی بحث شعر الخنزیر" قولہ ذکرہ المصنف" حیث قال: والآدمی مکرم شرعاً وان کان کافراً فایراد العقد علیہ وابتذالہ بہ والحاقہ بالجمادات اذلال لہ اھ ای وھو غیر جائز وبعضہ فی حکمہ وصرح فی فتح القدیر ببطلانہ - الخ یعنی انسان کے بالوں کی خرید و فروخت کرنا استعمال میں لانا جائز نہیں ہے، کیونکہ آدمی بحیثیت آدمی مکرم ہے خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ مصنف وغیرہ نے خنزیر کے بالوں کی بحث میں ذکر کیا ہے، کہا ہے کہ آدمی شرعاً مکرم ہے خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، لہذا اس کی ذات پر بیع کا معاملہ کرنا اور اسطرح اس کو دیگر اشیاء میں شامل کر لینا کہ اسکو محل تصرف بنا لیا جائے یہ اسکی تذلیل ہوگی اور یہ امر جائز نہ ہوگا، آدمی کا جزء اس کے کل کے حکم میں ہے۔ فتح القدیر میں ایسے عقد کے باطل ہونے کی صراحت کر دی گئی ہے۔ اس مقام پر صاحب رد المحتار علامہ ابن عابدین نے ایک اشکال وارد کرتے ہوئے اس کا جواب بھی پیش کیا ہے: فرمایا ہے کہ: فتح القدیر میں جہاں انسان کے اجزاء یا کل انسان کی خرید و فروخت کے معاملے کو باطل کہا گیا ہے، وہاں یہ بھی تو کہا گیا ہے کہ ایک دار کفر کے رہنے والے کافر کو غلام

---

[۵] شرح سیر کبیر مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۳۰۵

بنالیا، اسکی خرید و فروخت جائز ہے۔ اگر وہ غلام بنا لینے کے بعد اسلام بھی لے آیا ہو تب بھی غلام ہی رہے گا۔ (ایسی صورت میں یہ کہنا کسطرح صحیح ہوگا کہ آدمی مکرم و محترم ہے، اسکو کسی عقد کا محل تصور کرلینا اسکی تذلیل ہوگی۔) جواباً فرمایا ہے کہ مذکورہ مسئلہ میں بیع کا محل اس کافر کی نفس حیوانی ہے جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی الوھیت و واحدانیت کا انکار صادر ہو رہا ہے۔ اور ہمارے موجودہ مسئلہ میں انسان کے جسم اور اس کے اعضاء سے گفتگو کی جارہی ہے۔

چنانچہ انسان کی تخلیقی شکل وصورت اور ھیئت کا بگاڑنا یا اس کے اجزا کو بھیڑ بکری یا دیگر اشیاء صرف کی طرح استعمال کرنا حرام وممنوع ہوگا۔ اسی بناء پر یہ جائز نہیں ہے کہ ایک آقا اپنی لونڈی (کنیز) کا دودھ فروخت کرے (حالانکہ کنیز اسکی مملوکہ ہوتی ہے، یہ مملوکیت درحقیقت حکمی ہے۔ یعنی شرع نے حکماً اسکو مملوکہ قرار دیا ہے۔)

انسانی اعضاء کے استعمال کے متعلق شرح سیر کبیر میں کہا گیا ہے: والآدمی محترم بعد موته علی ما کان علیه فی حیاته، فکما لا یجوز التداوی بشیء من الآدمی الحی اکراماً له فکذلک لا یجوز التداوی بعظم المیت۔ یعنی آدمی اپنی موت کے بعد بھی اتنا ہی محترم ہے جتنا کہ وہ اپنی حیات میں محترم تھا۔ لہذا جسطرح ایک زندہ انسان کی کسی شئے سے معالجہ کرنا اس لئے جائز نہیں ہے کہ وہ مکرم ہے اسی طرح میت کی ہڈی سے بھی معالجہ جائز نہیں[1]

صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے: لا یجوز بیع شعر الانسان ولا الانتفاع به لان الآدمی مکرم لا مبتذل فلا یجوز ان یکون شیئاً من اجزائه مهاناً مبتذلاً۔ اسی مقام کی عبارت مذکورہ کی شرح میں صاحب عنایہ نے تحریر فرمایا ہے: وجعله الآدمی لکرامته لئلا یتجاسر الناس علی من کرمه الله بابتذال اجزائه۔ یعنی انسان کے بالوں کو فروخت کرنا جائز نہیں اور نہ اُن سے کسی قسم کا استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ آدمی مکرم ہے ذلیل (قابل صرف اشیاء میں سے) نہیں ہے، لہذا یہ جائز نہ ہوگا کہ اس کے اجزاء میں سے کسی جزء کی اہانت کی جائے اور اسکو صرف میں لایا جائے[2]۔ عنایہ شرح ہدایہ میں اسی مقام پر لکھا ہے کہ انسان کی کھال کا حکم بھی یہی ہے۔ اس کی کرامت کی بنا پر۔ تاکہ لوگ یہ جرأت نہ کرسکیں کہ جس ذات کو اللہ تعالیٰ نے مکرم بنایا ہے اُس کے اجزاء کو صرف میں لاکر اسکی تذلیل کریں۔

---

[1] شرح سیر کبیر جلد ۱ ص ۳۰۳ مطبوعہ مصر ۱۳۵۰ھ۔

[2] فتح القدیر مطبوعہ مصر جلد ۱ ص ۴۵ ۔

فتاوٰی عالمگیری میں ہے: مضطر لم یجد میتۃ وخاف الھلاک فقال لہ رجل اقطع یدی وکلھا لا لیسعہ ان یفعل ذلک ولا یصح امرہٗ بہ کما لا یسع للمضطر ان یقطع قطعۃ من نفسہ فیاکل کذا فی فتاوٰی قاضیخان۔ یعنی ایک مضطر شخص کو اضطرار کی حالت میں مردار میسّر نہ آسکا اور اس کو اپنی ہلاکت کا خوف ہے اس سے ایک شخص نے کہا کہ میرا ہاتھ کاٹ کر کھا لے۔ تو مضطر کیلئے اس کی اجازت نہ ہوگی کہ ایسا کرے اور کہنے والے کا وہ قول بھی جائز نہ ہوگا۔ جس طرح کہ مضطر کو یہ اجازت نہیں کہ اپنے جسم کا کوئی حصّہ کاٹ کر کھائے[۹] ایسا ہی فتاوٰی ہزاریہ اور خلاصۃ الفتاوٰی میں بھی بیان کیا گیا ہے[۱۰]

مذکورۂ صدر فقہی روایات سے یہ واضح طور پر ثابت ہے کہ انسان کے اعضاء جسم کی حرمت انسان سے خارج دیگر اشیاء کی طرح نجاست کی بنا پر نہیں دوسرے الفاظ میں بیت کے درجہ میں ہونے کی بناء پر نہیں بلکہ اس کے اعزاز و احترام کی بنا پر ہے۔

اس مقام پر ایک بحث یہ بھی پیدا ہو سکتی ہے کہ جن اشیاء کو شرع نے انسان کیلئے حرام قرار دیا ہے۔ اگر انسانی اعضاء کا ہم ان محرمات اشیاء میں شامل ہونا تسلیم کر لیں تب بھی اضطرار کی صورت میں استعمال میں لانے کی اجازت شرعاً موجود ہے، چنانچہ خنزیر، شراب، خون، شرعاً حرام ہیں، لیکن مخمصہ (اضطرار) کی حالت میں بقدر رمق (ضرورتِ زندگی) شرع نے ان کے استعمال کر لینے کی اجازت دی ہے۔ قرآنِ کریم میں ارشادِ خداوندی ہے: فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ (البقرہ)۔ اور فرمایا ہے۔ فمن اضطر فی مخمصۃ غیر متجانف لاثم فان اللہ غفور رحیم۔ (مائدہ) یعنی جو شخص اضطرار کی حالت کو پہنچ جائے، شرع کی بغاوت واس کی حدود سے تجاوز کرنے کی نیت نہ ہو تو جان جانے کے خطرے میں وہ ان محرمات کو استعمال کر سکتا ہے۔

چنانچہ اسی بنیاد پر فقہاء احناف و دیگر آئمہ نے امراض کے معالجہ کے سلسلہ میں خون اور پیشاب و مردار کا استعمال جائز قرار دیا ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ یجوز للعلیل شرب الدم والبول واکل المیتۃ للتداوی اذا اخبرہ طبیب ان شفائہ فیہ ولم یجد من المباح ما یقوم مقامہ اھ یعنی مریض کیلئے خون یا پیشاب کا پینا، مردار کا کھانا اسوقت جائز ہوگا جبکہ کوئی طبیب اس سے یہ کہے کہ ان اشیاء کے علاوہ اس کے مرض کی شفاء کسی دوسری مباح دوا میں نہیں ہے[۱۱] الاشباہ والنظائر

---

[۹] فتاوٰی عالمگیری جلد ۴ صـ ۱۰۳ مطبوعہ دیوبند انڈیا۔ [۱۰] برحاشیہ فتاوٰی ہندیہ مطبوعہ مصر جلد ۶ صـ ۲۳

[۱۱] فتاوٰی عالمگیری جلد ۴ صـ ۳ مطبوعہ دیوبند۔

میں اس قاعدے کے تحت ۔ الضرورات تبیح المحظورات ۔ بیان کیا گیا ہے ۔ ومن ثم جاز اکل المیتۃ عند المخمصۃ واساغۃ اللقمۃ بالخمر والتلفظ بکلمۃ الکفر للاکراہ وکذا اتلاف مال غیرہ ۔ یعنی اس اصول کی بناء پر کہ ضرورتیں ممنوعات شرعیہ کو مباح کر دیتی ہیں ۔ اضطرار کی حالت میں مردار کا کھالینا اور لقمہ کا شراب کے ذریعہ حلق سے اتار لینا ۔ جبر کے موقعہ پر کلمۂ کفر کا زبان سے ادا کر دینا ، اسی طرح غیر کے مال کو تلف کر دینا جائز ہوگا۔[۱۲] اسی قسم کی دیگر روایات بھی کتب فقہ میں موجود ہیں ۔ لہذا انسانی اعضاء کی حرمت کے باوجود اگر بحالت ضرورت استعمال کر لینے کی اجازت دی جائے تو یہ روایات فقہ کے عین مطابق عمل ہوگا ۔

اس بحث کا یہ جواب ہوگا کہ شریعت اسلامیہ میں حصول منفعت کے حالات کے پانچ درجے مقرر کئے گئے ہیں ۔ ۱۔ ضرورت جسکو قرآن کریم نے اضطرار کے لفظ سے تعبیر کیا ہے ۔ ۲۔ حاجت ۔ ۳۔ منفعت ۔ ۴۔ زینت ۔ ۵۔ فضول ۔

۱۔ ضرورت یا اضطرار اس حالت کو کہتے ہیں کہ انسان کو اپنی ہلاکت کا خطرہ ہو ۔ ایسی حالت میں حرام چیز کا استعمال چند شرائط کیساتھ جائز ہوگا ۔ اوّل یہ کہ حرام کے استعمال نہ کرنے میں جان کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہو ۔ دوسرے یہ کہ اس خطرے کی بنیاد وہم پر نہ ہو بلکہ عادۃً یقین کے درجہ تک پہنچ گیا ہو ۔ تیسرے یہ کہ کسی طبیب حاذق کی نظر میں اس حرام کے ماسوا کسی حلال میں شفا کی کوئی صورت نظر نہ آتی ہو ۔ اور حرام کے استعمال میں شفا یقینی ہو ۔ چہارم یہ کہ محض اس حد تک استعمال ہو جس حد تک خطرہ دفع ہو سکے اس سے تجاوز نہ کیا گیا ہو ۔

مذکورہ صدر شرائط خود قرآن کریم کی آیات ہی سے مستفاد ہیں ۔ اور اس کے باوجود بعض حالتیں ایسی ہیں کہ ان کو اضطرار و ضرورت موجود ہونے کے باوجود اضطرار کے حکم سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے ، مثلاً ایک شخص کسی کو مجبور کرے کہ وہ فلاں شخص کو قتل کر دے ورنہ خود اسکو قتل کر دیا جائیگا اور مجبور یہ یقین رکھتا ہے کہ جبر کرنے والا اس کے قتل کرنے پر قادر ہے تو اس صورت میں مجبور کو یہ اجازت نہیں ہوگی کہ وہ دوسرے کو قتل کر دے ۔

۲۔ حاجت کا یہ معنی ہے کہ اگر ممنوع چیز کو استعمال نہ کیا گیا تو جان کا خطرہ تو نہیں البتہ تکلیف و مشقت شدید اٹھانا پڑے گی ۔ اس حالت میں قرآن کریم کا وہ حکم جو ضرورت و اضطرار کی حالت میں دیا گیا ہے ، نہیں ہے ، البتہ عبادات وغیرہ میں اس حالت کے پیش نظر کچھ سہولتیں و رخصتیں

---

[۱۲] اشباہ والنظائر ، ابن نجیم ، ص ۱۰۸ مطبوعہ نولکشور انڈیا ۔

عطا فرمائی گئی ہیں۔ لیکن حرام کو مباح نہیں کیا گیا ہے۔

۳۔ منفعت کی حالت کے یہ معنی ہیں کہ کسی چیز کے استعمال سے انسان کو فائدہ تو حاصل ہو، لیکن ترک کر دینے میں ہلاکت یا تکلیف و مشقت کا خطرہ نہ ہو۔ مثلاً بہتر قسم کے کھانے مقوی غذائیں وغیرہ۔ ایسی حالت میں صرف مباح کا استعمال ہی کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ زینت۔ جو محض تفریح و زیبائش کے لئے اختیار کیا جائے۔

۵۔ فضول۔ جو محض ہوا و ہوس پر مبنی ہو جو کہ مباح کے درجہ سے بھی خارج ہو کر اسراف میں شمار ہو۔[۱۳]

مذکورہ صدر آخری تمام حالتوں میں کسی حرام کے استعمال کی شرعاً اجازت نہ ہوگی۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ انسانی مردہ اعضاء کو کسی انسان کی پیوند کاری میں استعمال کرنا ضرورت و اضطراری صورت میں داخل نہیں۔ البتہ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ صدر تفصیل سے صرف یہ ثابت ہوا کہ انسان کے ہاتھ پاؤں یا دیگر اعضاء سے پیوند کاری اضطراری حالت میں داخل نہیں کیونکہ وہ دوسرا انسان جس کے ان اعضاء کا پیوند لگایا جائے گا۔ بغیر اس پیوند کاری کے بھی زندہ رہ سکتا ہے۔ صرف یہ ہوگا کہ اسکی زندگی میں اس کو کچھ مشقت و کلفت برداشت کرتے رہنا ہوگا۔ چنانچہ یہ حاجت کے درجہ میں شامل ہے جس میں حرام حلال نہیں ہوا کرتا۔ لیکن انسان کے اعضاء رئیسہ جن پر انسانی حیات کا مدار ہے مثلاً قلب یا گردے وغیرہ تو جبکہ ان کی پیوند کاری کسی دوسرے انسان کی زندگی قائم رہنے کا باعث ہو تو یہ شکل اضطرار میں داخل ہو جاتی ہے۔ اور اس صورت میں اس کے جواز کا قائل ہونا چاہئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس پیوند کاری کے آپریشن میں کوئی ڈاکٹر (طبیب) یہ قطعی دعویٰ سے نہیں کہہ سکتا کہ اس کو اس پیوند کاری میں یقیناً کامیابی ہوگی بلکہ یہ ایک احتمالی امر ہے اور احتمالی حالت پر اضطرار کا حکم نہیں ہوا کرتا۔ نیز یہ کہ اگر ہم اس حالت کو اضطراری حالت قرار دیں اور یہ بھی تسلیم کر لیں کہ ظن غالب بھی ہوتا ہے کہ اس حاجت مند انسان کی زندگی خطرے سے باہر ہو جائے گی تب بھی انسانی اعضاء رئیسہ کی پیوند کاری حرام ہی رہے گی۔ اس لئے کہ انسان کے جسم کا ہر حصہ قابل احترام و اکرام ہے۔ جسکی بنا پر شریعت نے اس کے استعمال کو ممنوع قرار دیا ہے۔ بخلاف دیگر مردار جانوروں کی حلت کے ان کی ممانعت و حرمت ان کی نجاست کی بنا پر تھی جسکو

---

[۱۳] حموی شرح اشباہ والنظائر

بحالت اضطرار مباح کا درجہ دیدیا گیا۔ جیساکہ ہم اپنے سابق بیان میں اسکی وضاحت کر چکے ہیں۔

ہمارا مذکورۂ صدر بیان فقہاء احناف کے نقطۂ نظر سے تھا۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم دیگر ائمہ و شیعی نقطۂ نظر کے متعلق بھی کچھ تفصیل بیان کر دیں۔

فقہائے شافعیہ نے اضطرار کی حالت میں مردہ انسان کا گوشت استعمال کرنے کو جائز کہا ہے۔ چنانچہ فقۂ شافعی کی کتاب المہذب میں کہا گیا ہے: ان اضطر ووجد آدمیا میتاً جازلہٗ اکلہ لان حرمۃ الحی آکد من حرمۃ المیت وان وجد مرتداً او من وجب قتلہٗ فی الزنا جازلہٗ ان یأکلہ لان قتلہٗ مستحق۔ اگر کوئی شخص اضطرار کی حالت کو پہنچ گیا ہو اور اسکو مردہ انسان میسّر آجائے تو وہ اسکو کھا سکتا ہے۔ اس لئے کہ زندہ انسان کی حرمت ایک مردہ کے مقابلہ میں زیادہ اہم ہے۔ اور اگر کوئی ایسا شخص مل جاتا ہے جس کا قتل (شرعاً) واجب ہو گیا ہے تو اسکو (قتل کرکے) کھا لینا بھی جائز ہے۔[۱۴]

اسی مذکورہ کتاب میں اس کے بعد کہا ہے: وان اضطر ولم یجد شیئاً فھل یجوزلہ ان یقطع شیئاً من بدنہ ویأکلہٗ فیہ وجھان قال ابو اسحٰق یجوز لانہٗ احیاء نفس لعضو مجاز کما یجوز ان یقطع عضواً اذا وقعت فیہ الآکلۃ لاحیاء نفسہ ومن اصحابنا من قال لا یجوز لانہ اذا قطع عضواً منہ کان المخافۃ علیہ اکثر۔ یعنی اگر کوئی شخص اضطرار کی حالت میں دوسرا کوئی (حرام) نہ پاتا ہو سوائے اپنے جسم کے، تو اس کے لئے جائز ہے کہ اپنے جسم کا کوئی حصّہ کاٹ کر کھالے یہ قول فقہا شافعیہ سے ابو اسحاق کا ہے۔ دیگر اصحاب شافعیہ نے فرمایا ہے کہ یہ عمل جائز نہ ہوگا اس لئے کہ جب اپنے جسم کا کوئی حصّہ کاٹا جائے گا تو یہ اُس مضطر کے لئے زیادہ خطرے کا باعث ہو جائے گا۔

حنبلی فقہا نے فرمایا ہے کہ حالت اضطرار میں جب کسی مضطر کو کسی ایسے انسان کے علاوہ جو شرعاً واجب القتل ہو جیساکہ دارکفر کا غیر مسلم یا زانی محصن اپنی زندگی بچانے کے لئے کچھ میسر نہ آئے تو اس کے لئے اُس انسان کا گوشت کھالینا مباح ہوگا، لیکن اگر کوئی میت ملتی ہو تو اس صورت میں فقہاء حنبلیہ کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ مباح ہوگا، دوسرا یہ کہ مباح نہ ہوگا۔ چنانچہ فقہ حنبلی کی کتاب المحرر میں ہے۔ ومن لم یجد الاّ آدمیا مباح دمہ کحربی وزان محصن حل قتلہ واکلہٗ وان کان میتاً معصوماً فوجھان۔[۱۵]

---

[۱۴] المہذب جلد ۱ ص ۲۵۸ مطبوعہ مصر۔ [۱۵] المحرر جلد ۲ ص ۱۹۰ مطبوعہ مصر ۱۹۵۰ء

شیعہ امامیہ کے فقہاء نے بھی اسی قسم کی رائے کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ کہا ہے کہ "جب کوئی شخص اضطرار کی حالت کو پہنچ گیا ہو اور اسکو سوائے مردہ انسان کے اور کوئی چیز اپنی زندگی قائم رکھنے کے لئے میسّر نہ آئے تو اس کے لئے اپنی بھوک رفع کرنے کی حدتک اس مردہ انسان کا گوشت کھالینا جائز ہوگا۔ لیکن اگر کوئی زندہ معصوم انسان ہے تو جائز نہ ہوگا، البتہ اگر کسی انسان کا خون شرعاً حلال قرار پاگیا ہو تو اس انسان سے اتنی مقدار حلال ہوگی جو کسی مردار سے حلال ہوتی ہے۔ اور اگر کسی مضطر کو اپنی ذات کے علاوہ کچھ میسّر نہیں آتا۔ بعض شیعی علماء نے کہا ہے کہ اپنے جسم کے پُر گوشت مقامات سے بسدِّ رمق گوشت کاٹ کر کھالینا جائز ہوگا، لیکن یہ قول قابل اعتبار نہیں، کیونکہ یہ ایک ضرر کا دوسرا ضرر اختیار کرکے دفع کرنا ہوگا، جو صحیح نہ ہوگا۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ جب کسی انسان کے جسم میں ایسا زخم پیدا ہوجائے جسکو آکلہ کہتے ہیں تو اس کو اس عضو کے کاٹ دینے کی اجازت ہے۔ اس قیاس پر اپنے جسم کا کوئی حصّہ کاٹ کر کھالینا بھی جائز ہونا چاہئے۔ تو یاد رہے کہ اس مسئلے پر مضطر کو قیاس کرلینا صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ آکلہ کی صورت میں عضو کو کاٹ دینا اس بنا پر جائز قرار دیا گیا تھا کہ وہ باقی جسم پر اثر انداز ہوجاتا۔ لیکن ہمارے اس مسئلہ میں اثر پیدا کر دینا لازم آتا ہے نہ کہ اس کا دفع کرنا۔ چنانچہ علامہ الحلی نے اپنی مشہور کتاب شرائع الاسلام فقہ شیعی میں لکھا ہے: واذا لم یجد المضطر الا آدمیاً میتاً حل لہٗ امساک الرمق من لحمہ ولو کان حیاً محقون الدم لم یحل ..... ولو کان مباح الدم حل لہٗ منہ ما یحل من المیتۃ ...... ولو لم یجد المضطر ما یمسک رمقہ سوی نفسہ قیل ..... یأکل من مواضع اللحمۃ کالفخذ ولیس شیئاً اذ فیہ دفع الضرر بالضرر ولا کذلک جواز قطع الآکلۃ لان الجواز ھناک انما ھو لقطع السرایۃ وھھنا احداث السرایۃ ۔[16]

مالکیہ و شافعیہ و حنبلیہ فقہاء اہل سنّت کی مذکورہ بالا روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک اضطرار کی حالت میں ایک مضطر کیلئے انسانی جسم سے اپنی بقاءِ حیات کیلئے استفادہ جائز ہے، لیکن بغیر حالتِ اضطرار ضرورت کے دیگر حالات مذکورہ یعنی حاجت، منفعت، زینت کے تحت انتفاع جائز نہ ہوگا۔ اسی سے شیعہ امامیہ نے بھی اتفاق کیا ہے جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا گیا۔

مذکورہ صدر تفصیلات کے بعد یہ سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ اگرچہ حنفی فقہاء کے نزدیک

---

[16] شرائع الاسلام جلد ۲ ص ۱۳۹، مطبوعہ بیروت۔

کسی حالت میں کسی طرح انسان کے کسی جزء سے منفعت حاصل کرنے کی اجازت نہیں ملتی۔ لیکن اہل سنت کے آئمہ ثلاثہ اور شیعہ کے نقطۂ نظر کو اگر اپنے زمانہ میں اپنا لیا جائے۔ تو موجودہ معاشرے اور اس کے ترقی پذیر حالات کے پیش نظر صحیح و جائز ہوگا۔ کیونکہ یہ مسئلہ ابتلاء عامہ سے متعلق ہے۔ اور ابتلاء عامہ کو ملحوظ رکھنا اسکی بناء پر جواز کا قول اختیار کرنا حنفی فقہاء کی تصریحات سے بھی ثابت ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس محل پر جبکہ ہم تمام فقہاء اہل سنت کے اقوال کو تفصیلی شکل میں پیش کر چکے ہیں۔ ہمارے ذمہ یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم یہ غور کریں کہ کس مکتبۂ فکر کا قول کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہے۔ اور جو قول جس مذہب کا قریب تر ہو اسی کو اختیار کریں۔ چنانچہ علماء اصول فقہ نے کسی قول کو کسی دوسرے پر ترجیح دینے یا مسائل کا استخراج کرنے میں بھی اصول مقرر کیا ہے کہ جب کسی ایک مسئلے کے حکم میں فقہاء کے اقوال مختلف ہوں تو وہ قول جو کتاب اللہ وسنت سے زیادہ قریب اور ان سے ثابت شدہ نظائر سے زیادہ مشابہ ہو اختیار کیا جائے۔ جیساکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو سپردگی قضاء کے وقت اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا تھا، علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں بھی لکھا ہے:

ثم نظرنا فی طرق استدلال الصحابة والسلف بالکتاب والسنة فاذاهم یقیسون الاشباه بالاشباه منهما ویناظرون الامثال بالامثال باجماع منهم وتسلیم بعضهم لبعض فی ذلک فان کثیرا من الوقعات بعده صلوات الله علیه لم تندرج فی النصوص الثابتة فقاسوها بما ثبت والحقوها بمانص علیه بشروط من ذلک الالحاق لتصحیح تلک المساوات بین الشبهین او المثلین حتی یغلب علی الظن ان حکم الله تعالیٰ فیهما واحد۔ الخ (مقدمہ ابن خلدون مطبوعہ مصر ۱۳۱۸ء)

چنانچہ اس مقام پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم یہ غور کریں کہ کس مسلک و مذہب کا نقطۂ نظر کتاب اللہ وسنت سے زیادہ قریب ہے یا ان دونوں سے جو مسائل مستخرج ہیں، ان میں سے کس سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔

اگر آپ ہمارے مضمون ہذا کے ابتدائی حصہ کو دوبارہ ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو واضح ہو جائے گا کہ کتاب اللہ اور سنت سے زیادہ تر قریب فقہاء احناف کا قول ہے۔ (باقی آئندہ)

دیرینہ، پیچیدہ، روحانی، جسمانی امراض کے خاص معالج
جمال شفاخانہ رجسٹرڈ
نوشہرہ صدر
دہلی گیٹ لاہور کینٹ